المهندس









2025

یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی
ٹیکسلا


بسم الله الرحمن الرحيم

اداریہ

اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم فرمانے والا ہے

نئے عزم اور تازہ ولولے کے ساتھ ہم المُہندس میگزین کا نیا شمارہ اپنے معزز قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ موجودہ دور میں، جہاں دنیا تیزی سے ترقی کر رہی ہے، کتابوں سے ہمارا رشتہ بتدریج کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ جس طرح عمر رسیدہ افراد گھروں میں توجہ کے منتظر رہتے ہیں، اسی طرح کتابیں بھی ہماری الماریوں اور لائبریریوں میں خاموشی سے اپنے قارئین کی منتظر ہیں، جبکہ برقی ذرائع نے ان کی جگہ لے لی ہے۔

ایسے حالات میں کتاب اور قاری کے درمیان اس کمزور ہوتے ہوئے تعلق کو دوبارہ مضبوط کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اسی احساس کے تحت المُہندس میگزین کو نئے سرے سے شائع کرنے کا یہ ایک مخلصانہ اور عاجزانہ قدم اٹھایا گیا ہے، جس کا مقصد مطالعے کی روایت کو زندہ رکھنا اور فکری ذوق کو فروغ دینا ہے۔

ممکن ہے کہ اس شمارے میں شامل بعض تحریریں روایتی محسوس ہوں، تاہم انہیں ایک طویل وقفے کے بعد دوبارہ سفر کا آغاز کرنے والی کاوش کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ ہم اپنے قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی قیمتی آرا، تجاویز اور تعمیری تنقید کے ذریعے ہمیں رہنمائی فراہم کریں، تاکہ آئندہ شماروں میں میگزین کے معیار کو مزید بہتر بنایا جا سکے۔

ہم ان تمام افراد کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس میگزین کی تیاری میں کسی بھی سطح پر اپنا کردار ادا کیا۔ بالخصوص المُہندس ادبی تنظیم اور اس کی شوریٰ کے اُن تمام اراکین کے ہم ممنون ہیں جنہوں نے 2022–23 سے لے کر موجودہ کابینہ 2025–26 تک اس رسالے کی بحالی اور اشاعت میں بھرپور تعاون کیا۔

ہمیں امید ہے کہ آپ کی مسلسل سرپرستی اور رہنمائی سے المُہندس میگزین آئندہ مزید بہتری و ترقی کی منازل طے کرے گا۔

محمد عثمان ارشد

مجلس ادارت

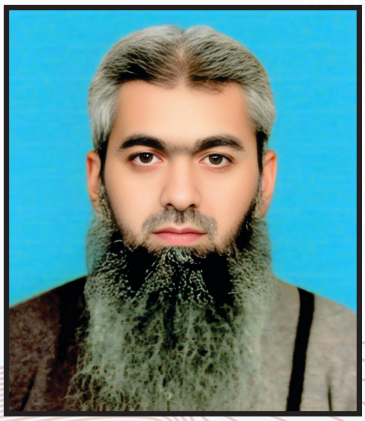

ڈاکٹر عثمان ارشد
چیف ایڈیٹر



سمیر علی
21-CE-202

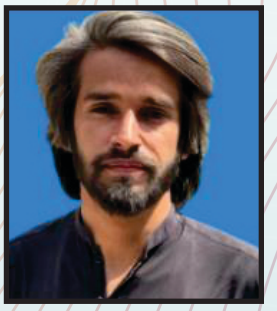

فراست حسن
21-CE-132



عبدالرحمن
21-EE-145



محمد صبیح علی اعوان
23-CE-195



محمد عثمان حیدر
22-CE-18



مبشر علی
21-SE-24

حمد!!

محمد عثمان حیدر (۲۲۔سول)

ماپنے نکلے تجھے فکر کہاں ہوتا ہے
خلق کی عقل سے آگے تو عیاں ہوتا ہے

نقشِ دوئی کا تخیل نہ گماں ہوتا ہے
گر بجز تیرے ہے کوئی تو کہاں ہوتا ہے

عقلِ خالص بھی ہے بے بس کہ وجودِ خالق
روحِ انسان کے عقدوں میں نہاں ہوتا ہے

داس تیرا نہ بنے خود ہی گڑھے جو تجھ کو
پھر وہ ثروت سے پرے غرقِ زیاں ہوتا ہے

بول کرتا ہے عمر کا جو تو ہر سوں بالا
حبشی بے خوف یوں پھر محوِ اذاں ہوتا ہے

دھرتی اپنے جو قطب سے نہ کبھی نکلی ہے
یعنی کوئی تو خدا ہے جو یہاں ہوتا ہے

یوں تو میرا بھی ہے انداز بلا کا لیکن
اصل قرآن ہے جو رب کا بیاں ہوتا ہے

(نعتِ سرور صلی اللہ علیہ والہ وسلم)

عثمان شکور (۲۳ سول)

سر جھکائے نعتِ سرور میں ادب سے لکھ رہا
اب کے اس بے جاں قلم پر وجد طاری ہو پڑا

چھو کے دیکھوں گا سنہری جالیوں کو ہاتھ سے
جلد ہوگا رحمتوں کے شہر میں جانا میرا

اب میں جاؤں کیوں کسی بھی شاہ کے دربار پر
اب مجھے شاہِ جہاں کا ہی سہارا مل گیا

کب سے ترسا ہے یہ عاشق آپ کے دیدار کو
اک جھلک دکھلائیے نہ اے رسول دو جہاں

بس کے ہیں، بے بس غلاموں کا سہارا آپ سے
عاصی پھر جائیں کہاں پر آپ کے در کے سوا

میں مسافر آپ کے در پر ہمیشہ ہی رہوں
اور اسی حالت میں جینا اور ہو مرنا مرا

کیسے چھو پائے بھلا یہ آگ دوزخ کی مجھے
تب جو ہوگا میرے سر پہ ہاتھ شاہِ ارض کا

ایسی عظمت پر ہزاروں سطوتیں قربان ہوں
جب خدا نے عرش پر بھی آپ کو مہماں کیا

یوں بیاں معراج کرتی ہے یہ عظمت آپ کی
بس کہ آگے منتہی سے ہے مقامِ مصطفی

ہے ملی ہم کو شناسائی خدا کی آپ سے
ورنہ ہم کو کیا خبر تھی، کیا خدا کا مرتبہ

نشر



"یو ای ٹی پہلا تاثر"

فراست حسن (۲۱۔سول)

اکتوبر ختم ہونے کو تھا، خزاں رسیدہ پتوں پر چلنے سے چرمراہٹ پیدا ہوتی تھی اور سرما کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ مختلف جامعات میں انڈر گریجویٹ کے داخلے جاری تھے۔ 27 اکتوبر کی نکھری صبح کو ابھی سورج کی کرنوں نے چھوا نہ تھا، میں نے موبائل فون دیکھا، یو ای ٹی کی میرٹ لسٹ نہیں آئی تھی۔ میں نے کچھ دیر بعد پھر دیکھا، میرٹ لسٹ آ گئی تھی اور میرا داخلہ الیکٹریکل انجینئرنگ کے لیے ہوا تھا۔ ایک دن بعد میں یونیورسٹی گیا، کاغذات جمع کروائے اور واجبات ادا کیے۔ یوں میرا داخلہ جامعہ ہندسیہ و تکنیکیہ ٹیکسلا میں ہو گیا۔

ہاسٹل کا ماحول اچھا تھا، کشادہ کمرے، صفائی کا انتظام، ساتھ ہی کھیل کا میدان اور کثیر المقاصد ہال (MP Hall)، جہاں کھیلنے کا سامان بھی میسر تھا۔ 15 نومبر کو پہلی کلاس تھی۔ جوش و خروش تھا، دل کی کچھ "حسرتیں" تھیں اور کچھ سینئرز کی طرف سے "پیار و محبت" کا خوف بھی تھا۔ اس قسم کے پیار و محبت کو "درگت بنانے" یا "ریگنگ" کا نام دیا جاتا ہے۔ درگت میں بیوقوف بنانا، الٹے سیدھے کام کروانا، فضول کا رعب جمانا اور جونیئرز سے انکی ہم جماعت لڑکیوں کے موبائل نمبر بٹورنا شامل ہے

پہلے دن شعبہ الیکٹریکل پہنچا تو تعارف کا سلسلہ شروع ہوا تو کسی نے انگریزی جھاڑی، کوئی اردو میں بولا اور جب میری باری آئی تو میں نے عرض کیا ناچیز کا نام فراست ہے، رہائشی تعلق چنیوٹ سے ہے، ثانوی و اعلی ثانوی تعلیم چناب کالج جھنگ سے ہے اور دلچسپی ادب، نظریات، سیاسیات اور اقتصادیات میں ہے لیکن والد محترم کی خواہش پر یہاں لایا گیا ہوں۔

الیکٹریکل کا شعبہ پڑھائی کے لحاظ سے کافی مشکل جبکہ اپنے "ماحول" کے حوالے سے پسندیدہ خیال کیا جاتا ہے۔پہلی کلاس لینے کے بعد جب ڈیپارٹمنٹ سے نکل رہا تھا، سامنے ۱۸ سیشن کے ایک محترم کھڑے تھے، مجھے اور میرے ساتھی کو بلایا ... ساتھی نے کہا کہ صاحب کی نیت خراب معلوم ہوتی ہے، میں نے کہا چلو دیکھتے ہیں، سلام دعا اور تعارف ہوا، صاحب کا تعلق چکوال سے تھا، قومی اسمبلی برائے جوانان (NYA) کے قائد ایوان تھے۔زندہ دلی طبیعت میں داخل تھی۔بات سے بات نکالنے کا ہنر جانتے تھے، ان کی اردو میں پنجابی کا الہڑ پن نمایاں تھا۔رخصت ہونے لگے تو کہا، درگت بنائی جانے کی صورت میں ان سے رابطہ کیا جائے۔

خوبصورت عمارت، نکھرا سبزہ، صفائی کا انتظام اور الیکٹریکل کو جامعہ میں منفرد بنا دیتے ہیں۔الیکٹریکل میں دو دن گزارنے کے بعد "دل لگ" چکا تھا اور صارم خٹک جیسا دوست بھی ہاتھ آ چکا تھا، لیکن تیسرے دن میرا نام شعبہ سول انجینئرنگ میں منتقل ہو گیا۔بوجھل دل سے وہاں حاضر ہو گیا سول میں دوسرا ہفتہ تھا۔2021 سیشن کے طلبا کیلئے تعارفی تقریب (orientation) کا انتظام کیا گیا تھا۔ سینئرز، جونیئرز سبھی بن سنور کر آئے ہوئے تھے، ایک سے ایک بڑھ کر تیس مار خان، دلوں میں خواہشات کے سمندر، سبھی کے ارادوں میں نیکی صاف نظر رہی تھی اور "دوسری جانب" بھی آگ برابر لگی ہوئی تھی۔کچھ دوستوں نے کہا کہ ایک تصویر بنواتے ہیں۔میں فوٹو گرافر کے پاس گیا، تو اس نے کہا، ابھی میں مصروف ہوں۔میں واپس اپنی نشست پر بیٹھ گیا....اور صاحب کی "مصروفیت" کا جائزہ لیتا رہا۔ صاحب مختلف زاویوں سے تصاویر بنا رہے تھے، کبھی یہاں تصویر، کبھی وہاں تصویر... لیکن سوئی ایک ہی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔میں نے پھر ہمت کی اور کہا۔۔۔حضور والا۔۔۔اگر مصروفیت ختم ہو گئی ہوں تو ہماری طرف توجہ دیں۔لیکن صاحب تھے کہ جی نہیں بھر رہا تھا، کہنے لگے ایک منٹ انتظار کرو۔آخر کار کیمرے سے ایک روشنی لپکی اور محترمہ کی مسکراہٹ اور گالوں کی لالی کا عکس کیمرے کی آنکھ میں محفوظ ہو گیا۔تب جا کہ فوٹو گرافر صاحب کی بے چین طبیعت کو قرار آیا اور طویل مصروفیت اختتام کو پہنچی۔انہوں نے ہماری بھی ایک تصویر بنائی جو ہمیں تا حال موصول نہیں ہوئی۔

سول میں تیسرا ہفتہ تھا، نئے کلاس فیلوز سے تعارف ہوا، فہیم انور زندہ دلی کی تصویر، مہر علی سرائیکی ڈھولا، عکاشہ میر برگر بچا، عبدالرحمان باذوق آدمی، سلطان انوکھا لاڈلا، جواد کنواروں کی کلاس میں اکلوتا شادی شدہ اور دیگر کئی۔

شعبہ سول میں صنف نازک تقریباً نایاب ہے، اس نایابی اور کمی کو پورا کرنے کیلئے الیکٹریکل اور پی سی کے چکر لگائے جاتے ہیں۔ کچھ اہل شوق دوستوں کو پارکنگ ایریا تک چھوڑنے جاتے ہیں، یوں حق دوستی ادا ہو گیا، چہل قدمی ہو گئی اور سب سے بڑھ کر نظارے کی ہوس کچھ کم پڑ گئی۔

ایک دن یوں ہوا کہ سبطین میرا دوست، شام کو چائے پر ملا کہنے لگا آج ایک واقعہ ہو گیا۔ میں نے پوچھا خیریت تو ہے، جواب آیا کہ کچھ سینئرز آج چائے وائے پلا کر، حال واحوال اور تعلیم کے متعلق پوچھ رہے تھے۔

"اس میں پریشانی والی کیا بات ہے"۔ میں نے کہا،

"وہ مجھ سے میری کلاس فیلو کا نمبر مانگ رہے تھے، اس نے کہا۔

"تم نے نمبر دے دیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں"۔ اس نے جواب دیا۔

"شاباش تم نے قومی غیرت کا خیال رکھا،

یوں سبطین "قومی غیرت" کا محافظ بن گیا۔

سول اور مکینیکل کے "دکھ، درد اور تکالیف" سانجھی ہیں اور ان تکالیف کا "علاج" بھی سانجھا ہے۔ دونوں شعبے ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور آمنے سامنے بیٹھ کر اپنی اپنی "محرومیوں کی داستان" سنتے اور سناتے ہیں۔

پہلی مرتبہ پی سی گیا تو وہاں رونق اپنے عروج پر تھی، شرفاء جن میں خواتین وحضرات دونوں شامل تھے، اپنی اپنی شرافت کا اظہار اپنے اپنے انداز میں کر رہے تھے، گہما گہمی کا عالم تھا، مسکراہٹوں کے تبادلے جاری تھے، چائے کی چسکیاں چل رہیں تھیں، کوکا کولا کے جام بھی چڑھائے جا رہے تھے، بعض ہونٹوں میں سگریٹ دبی نظر آ رہی تھی اور اس سے نکلنے والا دھواں ہوا میں تحلیل ہو رہا تھا۔ وہاں ایک دوست ملیا ور پوچھا" کیا آپ کے ساتھ بھی کوئی محترمہ ہیں۔"

"فی الحال تو اکیلا آیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"پی سی پر اکیلے نہیں آیا کرتے" انہوں نے قیمتی مشورہ دیا جو میں نے پلے باندھ لیا۔

درگت بنانے کے کچھ اصول وضوابط ہیں اور انکی پابندی بہت ضروری خیال کی جاتی ہے۔ ہاسٹل میں رہائش پذیر طلبا کی درگت بنانے کا حق صرف ہاسٹل کے سینئرز کو حاصل ہے جبکہ ڈے سکالرز سے پیار ومحبّت کا استحقاق انکے سینئرز کو حاصل ہے۔ جب میری درگت بنائی گئی تو وہ ایک اجتماعی قسم کی درگت تھی۔ مجھ سے ڈانس کی فرمائش کی گئی۔ ایک دوست سے انکے "قیمتی اثاثہ جات" کی گمشدگی کی درخواست لکھوائی گئی۔ آخر میں اچھی سی کڑاہی کیساتھ تواضع کی گئی۔

المهندس 2025

میرے تین رومیٹ چکوال سے ہیں، ایک بھکر، جبکہ ایک کا تعلق پنڈ دادن خان سے ہے۔ شاہ میر کے قصہ شوق کا آغاز ہو چکا ہے، عبدالرحمن اسے جھوٹی تسلیاں دیتا ہے، علی اکبر فوری طور پی سی پر ایک عدد ملاقات کا مشورہ دیتا ہے لیکن شاہ میر اس معاملے میں جلد بازی نہیں کرنا چاہتا اور مناسب وقت کے انتظار میں ہے۔ حسن مجتبیٰ دن میں تین مرتبہ بستر سے نکلتا ہے، دو مرتبہ کھانے کے لیے اور ایک مرتبہ واشروم کے لیے۔ حنظلہ اپنے شاپر نما بستر میں بیٹھ کر موبائل چھیڑتا ہے

دوسری جامعات کے برعکس یو ای ٹی میں جھگڑے نہیں ہوتے، شہر سے باہر ہونے کی وجہ سے پرسکون رہتی ہے گویا کہ پڑھائی کا ماحول قائم ہے۔ اردگرد پاکستان کی دفاعی صنعتیں پھیلی ہوئی ہیں یعنی "وردی والوں" کا غلبہ ہے۔ یونیورسٹی کے سامنے سرکپ کے آثار قدیمہ موجود ہیں۔ ہفتے کے اختتام پر ہاسٹل کے طلبا خان پور ڈیم کا رخ کرتے ہیں۔ یونیورسٹی میں آڈیٹوریم کی کمی نظر آتی ہے۔ بحیثیت مجموعی یو ای ٹی ایک اچھی جامعہ ہے۔



"ادب کے نقطہ نظر"

محمد عثمان حیدر (۲۲۔سول)

ادب ایک وسیع اور متنوع شعبہ ہے جس میں مختلف انواع، اسلوب اور تناظر شامل ہیں۔ یہاں ادب کے مختلف نقطہ نظر میں سے کچھ ہیں:

تاریخی تناظر:

ادب کو اکثر تاریخی اور ثقافتی تناظر کی عکاسی کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس میں یہ لکھا جاتا ہے۔ مختلف ادوار اور ثقافتوں کے ادب کا مطالعہ کر کے، ہم ان اقدار، عقائد اور نظریات کے بارے میں بصیرت حاصل کر سکتے ہیں جنہوں نے ان معاشروں کو تشکیل دیا۔

رسمی تناظر:

ادب کو ایک رسمی نقطہ نظر سے بھی پرکھا جا سکتا ہے، جس میں لکھنے والوں کی تخلیق کے لیے استعمال ہونے والی ساخت، انداز اور تکنیک پر توجہ دی جاتی ہے۔ اس تناظر سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کہ مصنفین کس طرح زبان، علامت، اور دیگر ادبی آلات کو معنی بیان کرنے اور طاقتور جذباتی ردعمل پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔



نفسیاتی نقطہ نظر:

ادب انسانی نفسیات کو دریافت کرنے اور انسانی رویے کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کرداروں اور ان کے محرکات کا جائزہ لے کر، ہم آفاقی انسانی تجربات جیسے محبت، نقصان اور نجات کے بارے میں بصیرت حاصل کر سکتے ہیں۔

نسائی نقطہ نظر:

ادب کا تجزیہ حقوق نسواں کے نقطہ نظر سے کیا جا سکتا ہے، جو ان طریقوں پر توجہ مرکوز کرتا ہے جن میں صنف ہمارے تجربات اور ادب میں خواتین کی نمائندگی کو تشکیل دیتی ہے۔ اس تناظر سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کہ کس طرح خواتین کو تاریخی طور پر پسماندہ اور ادبی کینن سے خارج کر دیا گیا ہے۔

مابعد نوآبادیاتی تناظر:

ادب کو مابعد نوآبادیاتی نقطہ نظر سے دیکھا جا سکتا ہے، جو ان طریقوں کا جائزہ لیتا ہے جن میں استعمار اور سامراج نے دنیا کے مختلف حصوں میں ثقافتی شناخت اور طاقت کے تعلقات کو تشکیل دیا ہے۔ اس تناظر سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کہ ادب کو غالب ثقافتی بیانیے اور نظریات کی مزاحمت اور چیلنج کرنے کے لیے کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ماحولیاتی نقطہ نظر:

ادب کا مطالعہ ایک ماحولیاتی نقطہ نظر سے کیا جا سکتا ہے، جو ان طریقوں پر توجہ مرکوز کرتا ہے جن میں ادب قدرتی دنیا کی نمائندگی کرتا ہے اور اس کے ساتھ تعامل کرتا ہے۔ اس تناظر سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کہ ادب ماحول کے ساتھ اپنے تعلقات اور کرہ ارض پر انسانی سرگرمیوں کے اثرات کے بارے میں تنقیدی انداز میں سوچنے میں ہماری مدد کیسے کر سکتا ہے۔

یہ ان بہت سے زاویوں میں سے کچھ ہیں جن سے ادب کو پرکھا اور تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ ہر نقطہ نظر ادب کی پیچیدگیوں اور دنیا کے بارے میں ہماری سمجھ کو تشکیل دینے میں اس کے کردار کے بارے میں منفرد بصیرت پیش کرتا ہے۔

اقبال اور فلسفہ خودی

شعیب ریاض (۱۹۔ ٹیلی کام)



خودی فارسی زبان کا لفظ ہے جو لغوی اعتبار سے معنی رکھتا ہے جن میں خود پرستی، خودمختاری، خودغرضی، غرور، نخوت، تکبر سر فہرست ہیں. خودی کا لفظ اقبال نے غرور کے معنی میں استعمال نہیں کیا بلکہ اس کا مفہوم احساس نفس یا اپنی ذات کا تعین ہے۔

علامہ اقبال اور ان کی انفرادیت نے ادب کو ایک نئی شکل دی جس میں نہ تو مریضانہ ماضی پرستی تھی اور نہ ہی قدیم شعرا کی طرح محبوب نگاری کا رجحان پایا جاتا تھا بلکے ایک نیا فلسفہ جو مسلمانوں کے لئے تاحیات مشعل راہ ہے.

اس فلسفے میں خدابینی و خود بینی لازم و ملزوم ہیں خود بینی، خدابینی میں سے خارج نہیں بلکہ معاون ہے۔ اقبال کے نزدیک خودی احساس غیرت مندی، جذبہ خوداری، حرکت و توانا ء، مظاہرات فطرت سے برسر پیکار اور دوسروں کا سہارا تلاش کرنے کے بجائے اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا نام ہے

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

اس سے ہم یہ اخذ کر سکتے خودی میں ہی آغاز وسط اور انجام زندگی سبھی کچھ ہے۔فرد وملت کی ترقی وتنزلی خودی کی ترقی وزوال پر منحصر ہے۔خودی کا تحفظ ہی معاشرے کا تحفظ ہے۔اس کی کامرانیاں اور کارکشائیاں بے شمار اور اس کی وسعتیں اور بلندیاں بے کنار ہیں۔اس لیے ان کا ذکر اقبال کے کلام میں جا بجا نظر آتا ہے

خودی کی یہ ہے منزل اولیں
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں
تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں مجھ سے تو جہاں سے نہیں

اگر چہ اقبال کے تصور خودی میں صوفیا فکر کے بیشتر عناصر ملتے ہیں لیکن صوفیا کی خودی کا تصور روحانی ہوتا ہے ان کی روحانی انا اس درجہ محکم ہے کہ وہ مادی خودی کو وجود مطلق کا جز قرار دیتے ہیں جبکہ اقبال خودی کے مادی لوازم کو بھی نظر انداز نہیں کرتے اور اس مادی خودی کو بھی برحق جانتے ہیں کیوں اقبال عارضی خودی کی اہمیت تسلیم کرتے ہیں اور بے خودی تک پہنچنے کے لئے خودی کو ہی ذریعہ اور وسیلہ بناتے ہیں۔اس گفتگو میں دورائے کا تصور ہی نہیں کے ساری کامیابیوں کا انحصار خودی کی پرورش وتربیت پر ہے۔قصہ مختصرً یہی عرض کرنا چاہوں گا اگر ہم نے اپنی خودی کو پہچان بھی لیا تو بقول اقبال ہماری خودی یہاں ختم نہیں ہوجاتی ہے بلکہ لافانی خودی یہاں سے شروع ہوجاتی ہے۔اس لئے خودشناسی ہی بہتری کی جانب پہلا زینہ ہے یہ عہدے عارضی ہیں جب کہ خودی نا قابل تسخیر داستانیں رقم کر جاتی ہے آج خود پرستی کے دور میں خودی اور وطن پرستی ہماری اولین ترجیح ہونی چاہیے۔

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

ویلنٹائن ڈے

سعد الرحمٰن (21 سول)

لیں جی 14 فروری آ ہی گیا یہ دن بھی مجھے سال کے آغاز ہی میں شدید تنہائی کا احساس دلاتے ہوئے رہبانیت بھری زندگی بسر کرتے پاتا ہے۔

اب کیا ہی کر سکتے ہیں کبھی رب کی ناراضگی کا خوف یا کبھی والدین کی تربیت کا اڑے آ جانا یہ ہی وہ مہرکات ہیں ورنہ مَن تو فطری طور پر پاپی معلوم ہوتا ہے۔

خیر کچھ ڈر اچھے بھی ہوتے ہیں اور انسانی بھلائی کا سامان ہی اپنے اندر سمائے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر یہ ڈر خالقِ حقیقی کا ہو تو۔۔۔کمال است۔

اپنے بڑوں کی باتوں کو شاید ہی کبھی زیادہ وزن دیتا ہوں مگر اس فیلڈ میں ان کے وسیع تجربے کی بنیاد پر نکالے نتیجے کو حق سمجھتے ہوئے ان کے بتائے ہوئے محبت کے فلسفے پر یقین رکھتا ہوں جو یہی ہے کہ محبت شادی کے بعد ہی ہوتی ہے پہلے صرف وقت کا ضیاع ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔

لوگوں کے لیے ہوتا ہوگا ویلنٹائن ڈے میرے لیے تو بدھ ہی ہے

اس شدید تنہائی پر نوحے پڑھنے سے کوئی فرق پڑنے کی مجھے امید تو نہیں ہے البتہ:

~خدا کا شکر اس نے انسان بنایا
پھر تیری آنکھوں کا قدردان بنایا

~دل کو رکھا اپنی محبت سے پاکیزہ
پھر تجھ کو اس دل کا مہمان بنایا

کینوس

کرن فاطمہ (22 ٹیلی کام)

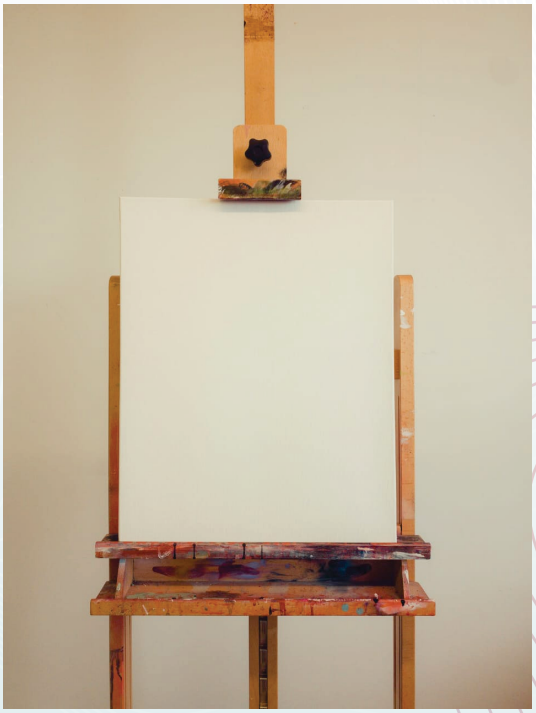

نیم تاریک روشنی میں کینوس سامنے رکھے شاید وہ کچھ سوچ رہی تھی۔۔

اندر سے آواز آئی۔۔۔آجاو فریحہ باہر کیوں کھڑی ہو۔۔

وہ چونکی کہ اسے کیسے معلوم ہوا؟

وہ میز کے ساتھ رکھی کرسی پر آ بیٹھی اور کینوس پر بکھرے خوبصورت رنگوں کے امتزاج دیکھنے لگی۔۔۔

تم آج بھی اتنے خوبصورت رنگ کیسے بھر لیتی ہوں زینب؟

وہ ہلکا سا مسکرائی تھی

اس نے برش کینوس پر پھیرتے ہوئے ایک لمبی سانس لی۔

میں کیسے بھول سکتی ہوں یہ سب؟

میرے لیے یہ صرف رنگ نہیں ہے... ایک مکمل دستان ہے جیتی جاگتی کہانی، ایک افسانہ جو سانس لیتا ہے، جو درد محسوس کرتا جسے میرے علاوہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔۔

وہ اب خاموش ہو چکی تھی لیکن اس کی کانپتی انگلیاں، مسکراتی ہوئی بھیگی آنکھیں، کینوس پر بکھرے رنگ، اور وہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا کمرہ اس کے دل پر گزرے ہوئے حادثات کی مکمل ترجمانی کر رہی تھی۔۔

اپنی زندگی کے گزرے ہر خوبصورت لمحے کو وہ کبھی نہ بھولی تھی۔ترسیٹھ برس کی وہ بوڑھی زینب آپنی تمام پینٹنکس اولڈ ایج ہوم کی زینت بنا چکی تھی۔

اس نے ہر رنگ پر نشانی لگا رکھی تھی، ہر رنگ بخوبی پہچانتی تھی، اپنی بینائی سے محروم وہ پچھلے بارہ برس سے اس بیرونق اولڈ ایج ہوم کو رنگین بنا رہی تھی۔

تکیہ

قدر پرواز (۲۲۔الیکٹریکل)

کپڑے کا غلاف جو کہ محض روئی سے بھرا نہیں ہوتا بلکہ اُن لوگوں کے لئے، جو خلقت کے سامنے محبت اور احساس کے جذبے سے عاری اور انا اور اپنی مسکراہٹ کے ضرورت سے زیادہ محافظ ہونے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں، ان کی انگنت گرم اشکوں اور ٹھنڈی آہوں کا مرکز بھی ہوتا ہے اور واحد سامع بھی، یہ تکیہ تو راز دار ہوتا ہے کچھ بے زبانوں کا، تکیہ تو راز دار ہوتا ہے نا جانے ایسے کتنے قتلوں کا جو سوچیں کر دیتیں ہیں، بہت سی سسکیوں اور آہوں کا واحد وفادار گواہ۔۔۔۔

وہ کب روتے روتے سو جایا کرتی تھی اسے کبھی احساس نہیں ہوتا تھا، مگر آج تو جیسے نیند اس کی سیاہ حلقوں میں ڈوبی گہری اور کچھ عجب سی کشش سے بھری آنکھوں سے کوسوں دور تھی، وہ چاہتی تھی اس کی آنکھیں بند ہو جائیں اور وہ خوابوں کے حسین جہاں میں چلی جائے، جہاں سب دسترس میں ہوتا ہے، جہاں سب ممکنات میں شمار ہوتا ہے، بلا شبہ جہاں سب عارضی ہوتا ہے، مگر کسی تحت الشعور میں ادھوری تمناؤں کا ترجمان ہوتا ہے۔۔۔

شاید ہر مشکل میں جو لڑکی دوسروں کا بھی حوصلہ ہوتی تھی اسے بڑی اپنائیت سے بیگانہ کر کے توڑا گیا تھا، بلا شبہ نفرت سے زیادہ ظالم محبت ہوتی ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی، وہ ماضی کی حسین یادوں میں کھو چکی تھی، دوستی کے خوش رنگ پہلو اس کی زندگی کو قوس قزاح کی طرح دل نشین بنا رہے تھے، جیسے مرجھاتے ہوئے کسی پھول کو پانی دے کر اس کی پیاس بجھائی جا رہی ہو ویسے ہر یاد اس کے سانولے چہرے کو مسکراہٹ سے بھر رہی تھی، کہ کب اس کی خوب صورت اور مسکراتی زندگی کی بنیاد کو ہلا دینے والا جملے اس کے ذہن سے ٹکرائے، وہ چاہ کر بھی ان خوبصورت الفاظ اور شاید اب جوازیت ناک یاد تھی اسے چھٹک نہ سکی۔۔

"وقت کے ساتھ ساتھ مجھے تمہاری عادت یا۔۔۔شاید محبت"

"تم بہت خاص ہو میرے لئے""تم بہت عزیز ہو"

اور ایسے ہی بے شمار جملے۔

اس کے بعد ایک سلسلہ تھا سوچوں کا کہ آنکھیں جلنے لگیں مگر آنسو نہیں تھم پائے وہ ذرا سمٹ کر تکیہ پر سر رکھ کر بہتر ہونے کی سعی کرنے لگی۔

آخر کیوں کچھ لکھاری محبت کو حسین جذبہ لکھ دیتے ہیں درحقیقت تو محبت انا کی قاتل ہوتی ہے، محبت تو عزت نفس کو فراموش کر دینے کا نام ہوتا ہے، شاید محبت ہی وہ جذبہ ہے جو ہر جذبہ مار دیتی ہے۔ لوگوں سے محبت نبھائی کیوں نہیں جاتی آخر؟ لوگ کیوں محبت کے دعوے دار ہو کر مکر جاتے ہیں؟ اپنی کی ہوئی باتوں سے؟ اور کیا ہی سوچیں تھیں یا سوال تھے۔۔ جو اس کے ذہن میں آ رہے تھے۔ اگر اس نے صرف اپنی محبت ابتدا اور اظہار تک رکھنی تھی تو محبت کا لفظ ہی کیوں دریافت کیا میری زندگی کی مختصر لغت میں۔۔۔۔۔۔

ایک بار پھر عزت نفس کو بالائے طاق رکھ کر فون پر ایک نمبر ڈائل کرنے کے ساتھ ہی دو بار کی ٹوں ٹوں جس کا دورانیہ شاید ایک منٹ بھی نہیں تھا مگر اِس کو ان کچھ سیکنڈز نے بھی بیزار کر دیا تھا۔ ایک آواز نمودار ہوئی۔

"جی کون؟"

جیسے ان دو الفاظ نے ہی جان پیدا کر دی تھی اس میں

"میں وفا بول رہی ہوں، میری شادی شروع ہے کل سے۔"

بغیر سانس لیے اس نے بولا۔

"جی اچھا۔ مجھے بتانے کی وجہ؟"

آواز میں عجیب سی اجنبیت تھی۔ ایک محبت کے لفظ سے انجان دل میں یہ لغو پیدا کرنے والا اب بیزاریت کے عروج پر تھا اور وجہ بتانے کا بھی روادار نہیں تھا۔۔۔۔

"تم میرے دوست ہو! بتانا ضروری سمجھتی ہوں"

اس نے کب وفا کو دوست سمجھا تھا، اول اول شدت سے چاہا تھا، پھر محبت کی کلی کو لگا کر اسے باقاعدگی سے توجہ سے محبت سے سینچا تھا، اور پھر اچانک اسے سیراب کرنا چھوڑ دیا اور اصل وجہ بتائے بغیر ہی بیزاریت کا اظہار نا جانے کیوں شروع کر دیا تھا؟

"ابھی میں خاصا مصروف ہوں پھر بات ہوگی۔" اس کے ساتھ ہی دوسری جانب سے فون بند ہو چکا تھا۔ کیا محبت کرنے والے بغیر وجہ بتائے یوں بیزار ہو جائیں تو انہیں قانوناً سزا نہیں ملنی چاہیے؟ کیا ان کا کوئی مقدمہ عدالت میں درج نہیں ہونا چاہیے؟ کیا محبت کا لفظ اتنا سستا ہے کہ کوئی بھی اسے استعمال کر کے کسی معصوم دل کو اجاڑنے کا حق رکھتا ہے؟ اس نے تمام سوچوں کو جھٹکا۔

بحر حال بات کی نوعیت اور دورانیہ جو بھی تھا پر اب وہ ذرا بہتر محسوس کر رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ اب اسے نیند آ رہی ہے۔

اس کے بعد پھر وہ کب سو گئی اسے اندازہ نہ ہوا۔ دو پہر ہو چکی تھی خالہ جان کمرے میں آئیں، آتے ہی معمول کے مطابق کھڑکیوں سے پردے ہٹائے اور ساتھ ہی پر جوش انداز میں صدا لگی:

"وفا بچے اٹھ جاؤ، آج شام میں ڈھولکی کی تقریب رکھی ہے، تیار بھی ہونا ہے تمہیں۔"

ایک تکیہ اس کے وجود سے ذرا فاصلے پر تھا شاید وہ بھی اُس وجود کو ہمیشہ کے لئے کھو کر نڈھال پڑا تھا جو ایک جوش اور جذبے سے اسے سینے سے لگاتا تھا۔ جیسے وہ چیخ چیخ کر کہنا چاہ رہا ہو کہ! مجھے گلے سے لگانے والی کا قتل محبت نے کر دیا ہے یا شاید بے دھیانی میں ایک شخص کے مذاق میں بولے جملے نے کر دیا ہے۔۔۔۔خالہ جان نے وفا کے واحد تنہائی کے ساتھ کو اس سے دور کر کے اس کے پاس بیٹھیں۔

پیار جب جب زمین پر اتارا گیا
زندگی تجھ کو صدقے میں وارا گیا
پیار زندہ رہا مقتلوں میں مگر
پیار جس نے کیا ہے وہ مارا گیا
حد یہی ہے تو حد سے گزر جائیں گے
عشق چاہے گا چپ چاپ مر جائیں گے۔

"رائیگانی"

عبدالرحمٰن (۲۱ الیکٹریکل)

شہر کی مصروف شاہراہ سے گزر کر تفریحی مقامات کی جانب آثار قدیمہ اور عجائب گھر کے ساتھ پہاڑوں میں گھری یونیورسٹی اپنے بھرپور حسن کے ساتھ موجود تھی۔ یونیورسٹی میں آج کے دن معمول سے زیادہ گہما گہمی تھی۔ آج امتحانات ختم ہوئے تھے۔ اسی کے ساتھ چوتھے سال کے طلبا کا آخری دن تھا۔ ان کے چہروں سے امتحانات ختم ہونے کی خوشی کم اور یونیورسٹی سے جانے اور ایک دوسرے سے بچھڑنے کا غم زیادہ جھلک رہا تھا۔ یونیورسٹی میں گزرے چار سالوں کی یادیں اور لمحات آنسوؤں میں بہہ رہے تھے۔ فضا میں ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے اور سورج آنکھ مچولی کھیل رہا تھا گویا موسم بہت خوش گوار تھا۔ مگر فضا میں عجیب قسم کی اداسی کی لہر تھی۔ شیرل پیپر دے کر بھاری قدموں کے ساتھ باہر نکلی۔ اپنی سہیلیوں سے مختصراً مل کر وہ لائبریری کی جانب چل دی۔ لائبریری کے سامنے ایک فوارہ تھا اور اس کے گرد دونوں جانب لان تھا جس کے کناروں پر اونچے سفیدے کے درخت یوں معلوم ہوتے تھے گویا لائبریری کی تعظیم میں جھکے ہوئے ہوں۔ ان کے نیچے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لکڑی کے بینچ پڑے تھے۔ ان میں سے ایک بینچ پر اسے وہ بیٹھا نظر آ گیا۔ وہ اس کے قریب آئی تو وہ ہاتھوں میں کاغذوں کا اک مسودہ اٹھائے گھاس پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ کچھ دیر کھڑی وہ اسے تکتی رہی مگر اس نے اوپر نہیں دیکھا۔ وہ اس کے ساتھ بینچ پر بیٹھ گئی۔ وہ بدستور نیچے تک رہا تھا۔

"تم کچھ نہیں کہو گے مہدی؟۔۔۔ آج کے بارے میں۔" وہ رک رک کر بولی۔

"بچھڑنے سے کچھ لمحے قبل زباں سے ادا ہونے والے کلمات عمر بھر اذیت دیتے ہیں شیرل! یہ ساتھ گزرے وقت کے تمام لمحات کو درد میں بدل کر اپنے اندر سمیٹ لیتے ہیں۔ اور سالوں بعد بھی جب کبھی یادوں کے دریچوں میں قدم رکھیں تو دل دہلا دیتے ہیں۔" وہ اسکی جانب دیکھے بغیر بولا۔

"اوہ! یاد آیا۔۔۔ آج ہم بچھڑ جائیں گے۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔" بولتے ہوئے شیرل کی آواز رندھ گئی۔ شاید اس کا دل اسکی زبان کا ساتھ دینے کو تیار نہیں تھا۔

یونیورسٹی کی مسجد سے آذانوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ شیرل کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اذانیں ختم ہوئیں تو وہ گویا ہوئی۔

"خدا نے وقت کا اختیار انسان کو کیوں نہ دیا؟ کاش ہم پھر سے اس وقت میں لوٹ جاتے مہدی! اور پھر سے وہ لمحے جی پاتے۔ کتنا

خوبصورت وقت تھا نا!"۔

شیرل کی بات سن کر وہ اسکی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ "ہاں! کتنا خوبصورت وقت تھا۔مگر تم اس وقت سے بھی زیادہ خوبصورت تھیں۔آج بھی وہ منظر میری آنکھوں میں قید ہے جب پہلی بار تم نے اس دل میں قدم رکھا تھا۔"

شیرل کے گالوں پر ہلکی سی سرخی در آئی۔ "ایک تو تم لکھاری لوگ کتنی مشکل باتیں کرتے ہو۔سیدھی طرح بات کرنے سے کیا جاتا ہے تمہارا۔" وہ اس کے ہاتھوں میں دبے کاغذوں کے پلندے کی جانب دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ وہ سن کر ہلکا سا مسکرایا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"اس دن یونیورسٹی میں غزہ یکجہتی مارچ کے دوران جب تم فلسطینی جھنڈا اٹھائے سب لڑکیوں سے آگے نعرے لگا رہی تھی۔ تمہارے جذبے نے مجھے متاثر کیا تھا۔مگر میں تب حیران ہوا تھا جب تمہاری کلائیوں پر صلیب کا نشان دیکھا تھا۔تمہارے ظاہری حسن نے شاید بہت سے لوگوں کو متاثر کیا ہو۔مگر میں اس دن تمہارے باطنی حسن سے واقف ہو گیا تھا۔"

" مگر تم اس وقت اپنے ان جذبات کا اظہار کرنے سے ڈرتے رہے تھے۔اگر میں نے تمہارا افسانہ نہ پڑھا ہوتا تو شاید کبھی نہ جان پاتی۔جب تم نے ایک افسانہ نویسی کا مقابلہ جیتا تھا،تب مجھے تمہارا افسانہ پڑھنے کے فورا بعد ہی معلوم ہو گیا تھا کہ اس میں لکھے مرکزی کردار کس کے ہیں۔"

وہ اس کی باتوں سے جھینپ گیا۔ بہت دیر تک وہ دونوں گزرے وقت کو یاد کرتے رہے۔ اور ساتھ بیتے لمحوں کی یاد میں ہنستے اور آنسو بہاتے رہے۔ارد گرد دوسرے بنچوں پر بھی جوڑے بیٹھے باتوں میں تھے۔کئی جگہوں پر طلبا دائروں کی صورت میں کھڑے گپیں ہانک رہے تھے اور ایک دوسرے کی باتوں پر قہقہے لگا رہے تھے۔لائبریری اور کیفے سے کچھ لڑکیاں گروہوں کی صورت میں ہاسٹل کی جانب جانا شروع ہو گئی تھیں۔چونکہ شام ہونے کو آئی تھی اور لڑکیوں کا اس کے بعد ہاسٹل سے باہر رہنا ممنوع تھا۔وہ دونوں باتوں میں مصروف تھے جب اس کی نظر گھڑی پر پڑی تو وہ شیرل سے بولا۔

"تمہارا ہاسٹل جانے کا وقت ہو گیا ہے شیرل! شام ہونے والی ہے۔"

وہ ایک دم چونکی۔ "ہاں! مجھے جانا ہوگا۔میں نے گھر جانے کیلئے سامان بھی باندھنا ہے۔شام ڈھلنے والی ہے۔۔۔ہمارے ملن کی آخری شام۔"

یونیورسٹی میں شام بہت جلد ڈھلتی محسوس ہوتی تھی۔سورج غروب ہونے سے پہلے ہی یونیورسٹی کی عمارتوں کے پیچھے چھپ جاتا تھا۔وہ دونوں بینچ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تمہاری ناول مکمل ہوگیا ہے؟تم نے کہا تھا کہ یہاں سے جانے سے پہلے اسے لکھ لوگے!"۔شیرل نے ایک دم یاد آنے پر اس کے ہاتھوں میں دبے کاغذوں کے پلندے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں!لکھ لیا ہے۔آج ہی مکمل کیا ہے۔"

"کیا لکھا ہے اس میں؟"

"تمہارے ساتھ بیتا ہوا ہر لمحہ۔" یہ کہہ کر اس نے کاغذوں کا وہ پلندہ شیرل کی جانب بڑھایا۔"یہ لو،اسے پڑھ لینا۔"

شیرل نے وہ مسودہ پکڑ لیا۔

"اب ہمیں بچھڑنا ہوگا!"

"ہاں!تم ٹھیک کہتی ہو۔اب ہمیں بچھڑنا ہوگا۔" شیرل مڑی اور ہاسٹل کا دروازہ کھول کر بھاری قدموں سے اندر داخل ہوگئی۔ مسودے پر نظر پڑی تو اس کے پہلے صفحے پر ناول کا نام "رائیگانی" پڑھ کر وہ لرز گئی اور دروازہ بند ہونے سے پہلے آخری دفعہ مڑ کر اسے دیکھا۔دونوں کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے ہوئے نیچے گرے۔دروازہ بند ہو چکا تھا۔



نظم

غزل

سید کاظم رضوی (۲۳ - ٹیلی کام)

جو تیرے ساتھ بیٹھا ہے جدا ہو جائے گا اک دن
نہ اس کو پوج ایسے کہ خدا ہو جائے گا اک دن
زمانے کی نظر میں یوں کسی سے دل لگانا بھی
مجھے معلوم ہوتا ہے سزا ہو جائے گا اک دن
سنو! میری طرف دیکھو تمہارے دیکھ لینے سے
شفایاب اک نظر میں دل میرا ہو جائے گا اک دن
مجھے چاہے کہ وہ شاید ابھی امید باقی ہے
کہ میرے پیار سے جب اشنا ہو جائے گا اک دن
بقا سے اشنا ہونا تھا اس کو زیست میں لیکن
کسے معلوم تھا کاظم فنا ہو جائے گا ایک دن

غزل

سید کاظم رضوی (۲۳ - ٹیلی کام)

وہ میرے سامنے آتا ہے شکایت کے لیے
ایک وجہ چاہیے اس قلب سے ہجرت کے لیے
پیار کو لازمی جیون میں تھا سمجھا لیکن
بس سبب مل گیا اغیار کو نفرت کے لیے
بیچ دیتے ہیں وہ ہاتھوں ہی سے خود اپنا ضمیر
اس قدر حد سے گزر جاتے ہیں دولت کے لیے
خواہش خلد ہو دل میں یہی کافی تو نہیں
اچھے اعمال ضروری ہیں شفاعت کے لیے
اب ضرورت نہیں ہوگی اسے میری شاید
جس نے تھاما تھا میرا ہاتھ بھی شہرت کے لیے
اس کی آواز کو سنتا ہی نہیں ہے کوئی
جو ہمیں روز بلاتا ہے عبادت کے لیے
چاہتا ہے نہ مجھے کوئی یہ معلوم ہے پر
کون کیوں آئے میرے پاس اجازت کے لیے
اس زمانے نے سکھایا ہے ہمیں یہ کاظم
لوگ آنسو بھی بہاتے ہیں ضرورت کے لیے

غزل

سیدہ ماہ نور سجاد (20-سول)

میرا انجام ہے ابتدا کی طرح
ہجر کے دن کٹے اک سزا کی طرح

تیری الفت میں ہے کچھ عجب سی کشش
کھینچتی ہے جو کوہِ ندا کی طرح

جن پہ قربان سارا زمانہ کیا
وہ ملے ہم سے نا آشنا کی طرح

تیری تحریر زخمِ جگر پر میرے
کام کرنے لگی اک دوا کی طرح

آہ نکلی جو نوری جگر سے تیرے
وہ بھی آئی لبوں پر دعا کی طرح

تم کون ہو؟

قیصر عباس بشیر (سول-۲K)

تم ایک بہرے انسان ہو

تم نے کبھی کسی کی دل آواز کو نہیں سُنا۔

تم ایک گونگے انسان ہو

تم جذبات کے اظہار کو لفظوں کا پیرہن نہیں دے سکتے۔

تم ایک اندھے انسان ہو

کسی کا تڑپنا، سسکنا تمہیں نظر نہیں آتا۔

تم ایک فالج زدہ انسان ہو

کسی کے جذبات کو محسوس نہیں کر سکتے، چھو نہیں سکتے۔

تم ہمدرد تو ہو سکتے ہو لیکن کسی کا درد نہیں ہو سکتے۔

تم روپ اور بہروپ کا عجیب امتزاج ہو

خود ڈائریاں لکھتے ہو، تحفے سنبھالتے پھرتے ہو، شاعری کہتے ہو

دوسروں کیلئے ایسی ہی چیزیں حرام قرار دیتے ہو

خود پیار کرتے ہو

دوسروں کو محبت کے وجود سے انکاری دیکھنا چاہتے ہو۔

آخر تم کیا ہو؟

تم خدا کی طرح اپنے آپ کو پوجے جانے کے قائل ہو۔

تم اپنی انا کے خول میں بند ایک انا پرست انسان ہو۔

تم ایک بھنور ہو

جس میں پھنسنے والا حسرت زدہ ڈوب جاتا ہے۔

تم ایک سراب ہو، ایک خوبصورت دھوکہ ہو۔

تم اونچی اڑان کے وہ پرندے ہو جو کبھی کسی کے پنجرے میں قید نہیں ہونا چاہتا۔

تم خوشیوں کے سوداگر ہو۔

لحظہ بھر کیلئے کسی کا دکھ، درد اپنے دامن میں نہیں سمیٹ سکتے۔

تم ایک نافہم انسان ہو

تم جو کہو میں وہ کرتا جاؤں اور تم سمجھ نہ پاؤ تم میرے لیئے کیا ہو۔

تم کاتب تقدیر ہر گز ہر گز نہیں بن سکتے

ہاں ایک دن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ایک دن ایسا آئے گا جب تمہارے سارے بند ٹوٹ جائیں گے۔

سرخ آندھی چلے گی

صحرا اور دریا ایک ہو جائیں گے

تم سب کچھ محسوس کرنے لگو گے لیکن

لیکن۔۔۔۔۔۔۔۔

لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

غزل

سمیر علی صمیم (21-سول)

رات کو دن ہوئے ایک مدت ہوئی
شمعِ دل کو بجھے ایک مدت ہوئی

ہیں ترے شہر کی ساری گلیاں گواہ
ہم کو سدھرے ہوئے ایک مدت ہوئی

جام ہونٹوں کا رستہ ہے بھولا ہوا
دل کو صحرا بنے ایک مدت ہوئی

آخرش دل کو بس راکھ ہونا ہی تھا
جس کو جلتے ہوئے ایک مدت ہوئی

خاک صحرا میں ہو یا رہے دشت میں
خاک مجھ کو ہوئے ایک مدت ہوئی

مجھ کو مدہوش رہنا ہے ساقی! پلا
چوٹ دل پہ لیے ایک مدت ہوئی

زخم کتنا ہے پوچھے کوئی کیوں صمیم
راز سارے کھلے ایک مدت ہوئی

غزل

محمد عثمان حیدر (۲۲-سول)

عاشقی جاں کی ریاضت کے سوا کچھ بھی نہیں
سلسلہ وار مشقت کے سوا کچھ بھی نہیں

تیرے نزدیک یہ حیرت کے سوا کچھ بھی نہیں
میرا الہام محبت کے سوا کچھ بھی نہیں

سرد مہری ہے اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں
شام کا وجد ہزیمت کے سوا کچھ بھی نہیں

میرے ماتھے پہ نمودار لکیروں کا سبب
تیری خم دار طبیعت کے سوا کچھ بھی نہیں

آگہی بود کو دشوار کرے ہے ہر دم
آگہی ضعفِ بصیرت کے سوا کچھ بھی نہیں

مرحلے جان پہ آتے ہیں بلاؤں کی طرح
ان مراحل میں صعوبت کے سوا کچھ بھی نہیں

احمقانہ ہیں رَہ و رسم تو بہتر ہے یہی
رنج، دنیائے حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں

گلشنِ دہر میں ہر پھول ہی دلگیر ملا
حسن تو غم میں حراست کے سوا کچھ بھی نہیں

غزل

عبدالرحمٰن (۲۱-الیکٹریکل)

ایک ہم ہی نہ ہو سکے اس کے
جس کا سارا جہان ہے اپنا

زندگی کی تلاش رہتی ہے
اور اجل سائبان ہے اپنا

ہم پہ کل کچھ پہاڑ ٹوٹے گا
اب یہی اک گمان ہے اپنا

مرے اشعار تم سے گویا ہیں
جسم تو بے زبان ہے اپنا

راہروانِ جنوں کی بستی میں
ایک پختہ نشان ہے اپنا

یہ زمیں گرچہ ہاتھ کرتی ہے
پاسدار آسمان ہے اپنا

غزل

عثمان شکور (۲۳-سول)

در تیرے تلک اک تو کبھی ایسا سفر ہو
مجھ کو نا کوئی ہوش ہو نا میری خبر ہو

بیٹھا ہوں تیرے سامنے پلکیں میں جھکا کر
مجمع ہو بھرا پر تیری مجھ پر ہی نظر ہو

آرام سے بیٹھوں میں جہاں ٹیک لگا کر
اس عالمِ نابود میں اک ایسا شجر ہو

آواز لگاتا ہے کہیں مصر کا یوسف
دیدار کی خاطر ذرا اک اور قہر ہو

تو خود بھی چل آ کبھی تو میری طرف کو
تو بھی تو کبھی مجھ پے مہرباں و مہر ہو

جو کچھ بھی لکھا میں نے وہ سب نام ہے تیرے
تم ہی تو میری شاعری تم ہی تو نثر ہو

کیسے میں اُتاروں یہاں لفظوں میں محبت
تم شبنمِ افشاں ہو تمھی جانِ جگر ہو

رکھتا یہی اک آرزو عثمان جہاں میں
بن دیکھے مجھے اس کی کوئی اک نہ سحر ہو

نظم

شہزاد سلیم، اسسٹنٹ پروفیسر سول

ہو سکتا ہے دنیا یہ بس دو گھڑی کا خواب اک ہو

ہو سکتا ہے خوابوں کی بھی دنیا کوئی بسی اک ہو

ہو سکتا ہے فلک پہ پھیلی سرمئی شام نرالی ہو

ہو سکتا ہے رات ہو بیتی صبح نکلنے والی ہو

ہو سکتا ہے صبح سویرے پنچھی بھی کھو جاتے ہوں

ہو سکتا ہے رات اندھیرے بھی کچھ لوٹ کے آتے ہوں

ہو سکتا ہے کچھ رستے بس رستے ہوں بے منزل ہوں

ہو سکتا ہے کچھ رستے خود رستے ہوں خود منزل ہوں

ہو سکتا ہے جعلی پھول لاکھوں میں بک جاتے ہوں

ہو سکتا ہے اصلی پھول کھل کے بس مرجھاتے ہوں

ہو سکتا ہے ساتھ بھی رہ کر ساتھ نا کوئی رہتا ہو

ہو سکتا ہے ساتھ نا رہ کر بھی کوئی ساتھ ہی رہتا ہو

ہو سکتا ہے دل کی باتیں دل سے دل تک جاتی ہوں

ہو سکتا ہے دل کی باتیں دل میں ہی رہ جاتی ہوں

ہو سکتا ہے جاتے وقت دور تلک مجھے دیکھا ہو

ہو سکتا ہے وہم ہو میرا، مڑ کے بھی نا دیکھا ہو

ہو سکتا ہے وصل میں تیرے پنہاں لمبی جدائی ہو

ہو سکتا ہے وصل میں تیرے قیمت جاں کی چکائی ہو

ہو سکتا ہے ہم نا ہوں، یہ کوئی روپ ہمارا ہو

ہو سکتا ہے بعد تمھارے دل کو ہی سمجھایا ہو

ہو سکتا ہے دیکھ کے تم کو آنسو خود گر جاتے ہوں

ہو سکتا ہے آنکھ سے تم کو دل کا حال سناتے ہوں

ہو سکتا ہے تیری خاطر ہم نے عمر گزاری ہو

ہو سکتا ہے وفا نا ہو، یہ کوئی دنیاداری ہو

ہو سکتا ہے تم ہو میرے باقی سب کچھ پرایا ہو

ہو سکتا ہے سب کچھ ہار کے بھی نا تم کو پایا ہو

ہو سکتا ہے باتیں میری بھول بھلیاں جیسی ہوں

ہو سکتا ہے سمجھ نا آئیں، ہو سکتا ہے آتی ہوں